آنسوؤں کی عبادت

بشریٰ رحمٰن

وقت اور زمانہ یاد نہیں. میں بہت چھوٹی تھی اور اسکول میں پڑھتی تھی. ایک روز اپنی ساری سہیلیوں کو گھر پر جمع کیا ہوا تھا اور ان پر رعب ڈالنے کے لیے ادبی کتابوں اور ادبی رسالوں کے حوالے دے رہی تھی. چھوٹے منہ سے بڑی بات نکلے تو ہم جولیاں مرعوب ہو جاتی ہیں اس وقت جب وہ "تعلیم و تربیت" اور "کھلونا" سے آگے نہ بڑھی تھیں. میں "نقوش" اور "نقاش" کی بات کرتی تھی. اپنے اسکول کی لائبریری سے اس وقت کے مشہور ادیبوں کی کتابیں لایا کرتی تھی اور آگے اپنی سہیلیوں کو مستعار دیا کرتی تھی. اس روز بھی بہت سی کتابیں گود میں رکھے میں فرفران کے بارے میں اظہار خیال کر رہی تھی اور ساری لڑکیاں چٹخارے لیتے ہوئے اپنی اپنی باری نگوا رہی تھیں. مگر میری ایک سہیلی بالکل خاموش اور لاتعلق سی بیٹھی تھی. جیسے ہم لایعنی گفتگو کر رہے ہیں. بلکہ جھک مار رہے ہیں. مجھے بہت تعجب ہوا. میں نے حیرت سے پوچھا. "شگفتہ تمہیں کوئی ناول پسند نہیں آیا؟"

بولی. "نہیں."

میں نے کہا. "ان میں سے ایک پڑھ کر دیکھو. میری منتیں کرتی نظر آؤ گی."

وہ بولی. "میں بغیر پڑھے جانتی ہوں. یہ بورکتابیں ہیں. مجھے ان ناولوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے."

"بڑی بدذوق ہو." میں نے جل کر کہا. "بھلا اس دنیا میں کوئی پڑھا لکھا آدمی ایسا کہہ سکتا ہے؟"

بولی. "ہاں میں کہہ سکتی ہوں."

"تم کور ذوق ہو. جاہل ہو. تمہاری تعلیم کا کوئی فائدہ نہیں. تم گھر بیٹھ جاؤ."

ہر ایک نے باری باری خیال آرائی کی. وہ ڈھٹائی سے مسکراتی رہی. پھر بولی. "میں ادبی قسم کے ناول نہیں پڑھا کرتی. اگر مجھے متاثر کرنا چاہتی ہو تو کہیں سے ابن صفی کی "عمران سیریز" لا دو. فریدی اور حمید کے کارنامے سناؤ. اگر تم میں سے کوئی ہر مہینے "عمران سیریز" کے ناول خریدتی ہے. تو میں اس کے گھر دس دس پھیرے لگانے کو تیار ہوں."

اس روز پہلی بار میں نے ابن صفی کے حوالے سے "عمران سیریز" کا نام سنا تھا. ابن صفی نام تو کچھ انوکھا نرالا اور پراسرار سا لگا تھا. مگر جاسوسی ادب کے بارے میں میں کچھ بھی نہ جانتی تھی. اچھی طرح یاد نہیں. غالباً ساتویں یا آٹھویں میں پڑھتی تھی. پھر میں نے شگفتہ ہی سے پوچھا کہ ابن صفی کون ہے؟ اور "عمران سیریز" کا کیا مطلب ہے؟

اس نے مجھے بتایا کہ ابن صفی جاسوسی ناولوں کا خالق ہے اور اس کی "عمران سیریز" دنیا کی ہر کہانی سے زیادہ دلچسپ ہوتی ہے اور نیا مہینہ چڑھتے ہی میں پیسے اکٹھے کر کے بازاروں کے چکر لگانے لگتی ہوں اور جب تک خرید نہ لوں چین نہیں آتا. میں ابن صفی کے ناولوں کے سوا کچھ نہیں پڑھ سکتی.

اس روز ساری لڑکیوں نے شگفتہ کا خوب خوب مذاق اڑایا تھا. ہم نے بڑی بڑی کتابوں کے حوالے دے کر شگفتہ کو بہت قائل کرنے کی کوشش کی. وہ اسٹار ومانی کہانیوں کا مذاق اڑانے لگی کہ یہ بھی کوئی کہانیاں ہوتی ہیں. جس میں ایک خوبرو، پروقار، وجیہہ ہیرو کا ہونا ضروری ہوتا ہے. جس میں ایک نازک اندام، حسن کا پیکر ہیروئن ہوتی ہے. پھر ایک ظالم سماج ہوتا ہے اور باقی ساری بک بک ہوتی ہے. مجھے خیالی کہانیاں اچھی نہیں لگتیں. ابن صفی کی طرح زندگی سے قریب تر چیزیں ڈھونڈ کر لاؤ. یا شگفتہ عمر میں ہم سب سے بڑی تھیں. مگر اس روز ہم سب نے مل کر اس کی بڑی خبر لی. مگر وہ بھی اپنی ضد پر اڑی رہی.

پھر ایسا ہوا. راہوار وقت آگے بڑھتا رہا... اور ابن صفی کا نام ابھرنے والے سورج کی طرح ہر طرف سے سنائی دینے لگا. جس کسی کے گھر میں جاتی. وہاں اور کتابوں کے ساتھ "عمران سیریز" کا کوئی شمارہ یا ابن صفی کا کوئی ناول ضرور نظر آجاتا جسے میں بالکل ہاتھ نہ لگاتی. مگر پڑھنے والے سے اس کے بارے میں چند تلخ و ترش سوال ضرور کر دیتی اور پھر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے اکثر پڑھے لکھے اور بڑی عمر کے لوگوں کو ابن صفی کے ناول بڑے انہماک سے پڑھتے دیکھا اور تو اور میرے بہنوئی رات کو سونے سے پہلے جب تک ابن صفی کا کوئی ناول نہ پڑھ لیتے. انہیں نیند نہ آتی تھی. میں سب لوگوں کے ذوق پر شک کرتی تھی. مگر ایک بات ہمیشہ مجھے سوچنے پر مجبور کر دیتی تھی کہ آخر اتنے لوگ ابن صفی کو کیوں پڑھتے ہیں. کیا یہ سب احمق ہیں؟ پاگل ہیں؟

اس بات کا جواب دینے سے پہلے تھوڑا سا جاسوسی ادب کا احوال بیان کرنا ہوگا.

چونکہ ابن صفی سے پہلے جاسوسی ادب نے ہماری سرزمین پر جنم نہیں لیا تھا. یہ امپورٹڈ بلاؤں کی طرح ترجمے کے چور دروازوں سے

ہمارے ملک میں گھس آیا تھا۔ اس لیے عام لوگ اس ادب کے بارے میں اس طرح متعصب ہو گئے تھے جس طرح وہ مغرب یا یورپ کی معاشرت ماحول یا روایات کے بارے میں سُن سُنا کر دل میں تعصب رکھ بیٹھتے ہیں۔

اب بھی کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ "جاسوسی ادب" جرائم کی طرف مائل کرتا ہے یا اخلاقی گناہ کرنے پر اکساتا ہے۔ یہ آدمی کو اس راستے پر لے کر چلتا ہے جو بدی کا راستہ ہے کیونکہ اس میں دو چار ڈکیتیاں، ایک آدھ قتل اغوا بالجبر جیسے واقعات ضرور ہوتے ہیں۔ لیکن ان سب باتوں کا جواب حاصل کرنے کے لیے "جاسوسی ادب" کے باقاعدہ مطالعے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ضرورت محسوس کرتے ہی میں نے ابن صفی کی کتابوں کو پڑھنا شروع کر دیا۔

ابن صفی نے ٹھیک ہی کہا تھا: "میرا مشن ہے کہ آدمی قانون کا احترام کرے۔"

میں نے ابن صفی کے ناولوں میں اس مشن کو سرفہرست پایا۔ ان کی کتابیں پڑھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ "جاسوسی ادب" زندگی کے ایک مخصوص شعبے سے تعلق رکھتا ہے۔ ہر بنی نوع انسان کے اندر نیکی اور بدی کی ایک جنگ رہتی ہے جب سے ہابیل اور قابیل کا واقعہ رونما ہوا ہے اپنے عناد کی خاطر قتل و غارت کا ایک سلسلہ چلا آرہا ہے۔ دنیا خود غرض اور نفس پرست لوگوں سے خالی نہیں ہے۔ کچھ لوگ صبر اور جبر کرنا جانتے ہیں۔ جبکہ کچھ لوگ ہمیشہ دوسرے کے حق کو غصب کرنے کی آرزو میں تڑپتے رہتے ہیں۔ وہ ایک ایسا راستہ اختیار کر بیٹھتے ہیں جو انہیں جرائم کی بھول بھلیوں میں لے جاتا ہے۔ پھر جرم بھی گناہ کی طرح لذت دینے لگتا ہے۔ ایسے "مریض" اور "اذیت پرست" (SADIST) لوگ ہر معاشرے میں ہوتے ہیں اور جو سوچتے ہیں قانون کچی مٹی کا گلدان ہے اگر اسے کاری ضرب سے توڑیں گے تو آواز تک پیدا نہ ہوگی مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ قانون ایک بے آواز طاقت ہے اور انصاف کی آواز تحت الثریٰ سے باہر نکل آتی ہے۔ میں نے ابن صفی کے جاسوسی ناولوں میں یہی کچھ دیکھا ہے۔ ایک طرف خواہشوں کا اژدہام ہوتا ہے۔ دوسری طرف حق کی آواز ہوتی ہے پھر کوئی بھیانک اٹھتا ہے اور ناانصافیوں کے خلاف نعرہ بلند کرتا ہے جہاں ہتھیلی پر رکھ کے کذب و افترا کی آگ میں کود پڑتا ہے تو آگ سچائی کے پھولوں میں بدل جاتی ہے۔

قانون کے ہاتھ لمبے تو ہوتے ہیں۔ مگر ان ہاتھوں میں شہریوں کے ہاتھ بھی شامل ہو جائیں... تو بدی کے جراثیم اپنی موت آپ مرنے لگتے ہیں۔

ابن صفی کے پیچھے یہی جذبہ کارفرما تھا۔ وہ اس معاشرے کو ایک آئیڈیل معاشرہ دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ انسانوں کے اندر جذبۂ حب الوطنی، شہریت کا پاس اور اپنے حقوق کا ادراک پیدا کرنا چاہتے تھے۔

غالباً ہر ملک کے جاسوسی ادب کا کم و بیش یہی مطلب ہوگا۔ جاسوسی ادب میں نیکی اور بدی کی جنگ غلافوں میں لپیٹ کر نہیں پیش نہیں کی جاتی۔ بلکہ اپنی اصل صورت میں انسان کی باطنی خباثتیں اور ظاہری سلاحیتیں پیش کر دی جاتی ہیں۔

دنیا میں کروڑوں لوگ بستے ہیں اور اتنے ہی واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں اور اپنے واقعات کو ہر فنکار اپنی مرضی سے یوں چن لیتا ہے۔ جیسے گلچیں اپنی پسند کے پھول توڑ لیتا ہے۔ کوئی واقعہ مصوری بن جاتا ہے۔ کوئی شاعری میں ڈھل جاتا ہے۔ کوئی موسیقی میں اور کوئی ادب کی کوئی شکل اختیار کر جاتا ہے۔ ناول افسانہ یا جاسوسی کہانی!... یہ سب فن کے جھرنے ہیں۔ جو ایک ہی پہاڑ کے مختلف گوشوں سے پھوٹ بہتے ہیں۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ادب کیا ہے؟"

ادب فنونِ لطیفہ کی ایک خوبصورت قسم ہے۔ انسان کے اندر کی جمالیاتی حس ہمیشہ فنونِ لطیفہ کی کسی نہ کسی قسم کو جنم دیتی آئی ہے اور جب تک یہ دنیا قائم ہے۔ اس جمالیاتی حس کا اخراج کسی نہ کسی فن کی صورت میں ہوتا رہے گا۔ مثلاً امریکا میں ایک انتہائی خوبصورت عمارت دیکھ کر میں نے بے اختیار کہہ دیا تھا کہ کسی ماہر انجینئر نے کنکریٹ میں شاعری کی ہے۔

ادب کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ دلچسپ اور زندگی آسا ہو کوئی بھی تحریر جو دلچسپ ہو۔ احساسات کو چھو لیتی ہو۔ زندگی کی بعض قدروں کی عکاس ہو۔ وقت گزرنے کے احساس کو زائل کر دیتی ہو۔ تفریح بھی بہم پہنچاتی ہو اور سوئے ہوئے جذبوں کو نشتر سے گدگداتی ہو۔ میں اسے ادب پارہ کہتی ہوں اور جس دل میں سوز و گداز کا دفینہ ہو۔ سلیقے سے آہ بھر لیتا ہو۔ آہ سے واہ تک آپہنچا ہو۔ وہ ادیب ہے۔

یوں تو دنیا میں تقریباً ہر شخص کو سوچ و بچار کی دولت ملی ہے۔ ہر انسان پر قلب و نظر کی مختلف واردات گزرتی ہیں۔ زندگی کے نشیب و فراز اس کے ساتھ دھوپ چھاؤں کے کھیل کھیلتے ہیں۔ وہ سنتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ہے۔ مگر ان میں سے کتنے لوگ ہیں۔ جو اپنے احساسات و جذبات اس انداز میں بیان کر سکتے ہیں کہ ہر پڑھنے والا اسے اپنی آواز سمجھے۔ شگفتہ آج بھی، جبکہ چار بچوں کی ماں ہے۔ یہی کہتی ہے کہ "میں صرف ابن صفی کو پڑھ سکتی ہوں۔" اپنے احساسات کو زبان دینے والا۔ اپنے تخیل کو الفاظ کے پیکروں میں مقید کرنے والا۔ سوچ کے خوبصورت جزیروں کو کاغذوں پر پھیلانے

والا ہر شخص ادیب ہوتا ہے۔ میں ابنِ صفی کو بہت بڑا ادیب مانتی ہوں اور "جاسوسی ادب" کو ادب کا ایک باقاعدہ شعبہ کہتی ہوں۔ اگر ایسا نہیں تو ابنِ صفی کی کتابیں ہر ادیب سے زیادہ کیوں بکتی ہیں؟

ادب کسی معاشرے کے جسم میں نبض کی طرح دھڑکتا ہے اور ادیب ایک ماہر نبّاض ہوتا ہے۔ جس کی انگلیوں کی حسّاس پوریں... نبض کی نرم اور گرم آہستہ خرام یا تیز رو لہریں فوراً محسوس کر لیتی ہیں اور پورے جسم کا مزاج پہچان لیتی ہیں اور پھر ایک سلیقہ شعار حاذق کی طرح سوچ کی ایسی مرہم تلاش کر لیتی ہیں جو جسم کے ہر عارضے کو شفائے کلّی عطا کر سکے۔

میں ادب کی ایک ننھی سی طالبہ ہوں۔ نو آموز ہوں نو مشق ہوں۔ لیکن جس وقت میں نے قلم کو ہاتھ میں پکڑا تو لکھا ہوا ہر لفظ مجھے محترم نظر آنے لگا۔ لکھا ہوا ہر لفظ، ایک پیغام ہوتا ہے۔ ایک ذریعہ ہوتا ہے۔ ایک ایسی آواز ہوتا ہے۔ جس پر صدیاں اور سال اثر انداز نہیں ہو سکتے۔ مگر یہ آواز مسلسل ایک دل سے دوسرے دل تک پہنچتی رہتی ہے۔

جانے کیا بات ہوئی، میں نے کتابوں کی ہمیشہ عزّت کی ہے۔ میں اگر چلی جا رہی ہوں اور مجھے فرش پر روٹی کا ٹکڑا نظر آتا ہے تو میں فوراً اسے اٹھا کر بڑے احترام سے کسی اونچی جگہ پر رکھ دیتی ہوں۔ مبادہ کسی کے پاؤں تلے آ جائے پتا نہیں کب۔ مجھے کسی نے بتایا ہوگا کہ اناج کا احترام کرنا چاہیے۔ اسی طرح اگر مجھے راہ میں کتاب کا کوئی پھٹا ہوا ورق نظر آ جائے تو میں اسے اٹھا کر فوراً چوم لیتی ہوں۔ شاید اس میں اللہ کا نام لکھا ہو لیکن کتابوں میں لکھے ہوئے جذبات بھی تو اتنے ہی مقدّس ہوتے ہیں۔ یہ کتابیں نہ ہوتیں تو ہم گونگے اور بہرے ہوتے۔

میں کسی بھی کتاب کو زمین پر برداشت نہیں کر سکتی اور ہمیشہ اپنے بچّوں سے کہتی رہتی ہوں جو لوگ کتاب کا احترام نہیں کر سکتے۔ وہ علم کی دولت بھی حاصل نہیں کر سکتے۔

قلم کی محبت نے مجھے الفاظ کا احترام سکھایا اور قلم ہی کے ناتے، میں نے کتاب، استاد اور صاحبِ کتاب کو قابلِ صد تکریم سمجھا۔ اسی لیے آج ابنِ صفی کا نام لیتے ہوئے میرا سر احترام سے جھک جاتا ہے۔ اظہر کلیم نے اپنے اداریے میں لکھا ہے کہ اسرار احمد انتقال کر گئے ہیں لیکن ابنِ صفی آج بھی زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔ انہوں نے ٹھیک ہی لکھا ہے۔ ابنِ صفی ہمیشہ زندہ رہیں گے کیونکہ انہوں نے اپنی تاریخ خود مرتّب کر لی ہے۔ جاسوسی ادب کے اس ترجمہ شدہ انبار میں، ابنِ صفی ایک بلند مقام پہ کھڑے نظر آتے ہیں۔ انہوں نے ایک نئی طرح اور نئی نہج کو اپنایا۔ ان کی ہر دلعزیزی کی وجہ ان کا اور یجنل انداز، کردار نگاری کا سلیقہ اور سحر انگیز طرزِ بیان ہے وہ مقصدیت کا دامن کہیں بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔

ادب خواہ تفریح کے لیے لکھا جائے۔ اس کا کوئی نہ کوئی مقصد سامنے آ جاتا ہے۔ جس طرح علامہ نے کہا ہے۔

"نہیں مصلحت سے خالی یہ جہانِ مرغ و ماہی"

اسی طرح ادب کی کوئی صنف بھی مقصد سے خالی نہیں تفریح پہنچانا اور تھکے ہوئے ذہنوں کو آسودگی بخشنا بھی تو ایک مقصد ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہیں تو اکثر لوگ، رات کو سونے سے پہلے کچھ نہ کچھ کیوں پڑھتے ہیں؟ ان سے پہلے ہمارے ادب کی بساط پر جاسوسی ادب کا کوئی مہرہ نہ تھا۔ کیا مستعار لیے ہوئے مہروں سے بازی جیتی جا سکتی ہے۔؟ اگر ابنِ صفی نہ ہوتے تو ترجموں کے بوجھ سے جاسوسی ادب کی کمر ہمیشہ خمیدہ رہتی۔ اس لیے جاسوسی ادب کی تاریخ میں ابنِ صفی کا نام کولمبس کی طرح لکھا جائے گا۔

کیا ابنِ صفی کے ہم پلّہ کوئی اور ادیب پیدا ہوگا؟

ہم نہیں جانتے کیونکہ آج تک کسی انسان کا کوئی بدل پیدا نہیں ہوا۔ غالب۔ اقبال۔ گوئٹے، ٹیگور۔ کون روپ بدل کر واپس آیا ہے۔ ان کے افکار دنیا کے بوسیدہ پیراہن میں دل بن کر دھڑکتے رہ جاتے ہیں۔ مگر ایسا ضرور ہے کہ جانے والے... ایک نئے راستے کی طرف روشنی کی ایک پھوار پھینک جاتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں... ہمارے بعد اس کو بجھنے نہ دینا... سفر جاری رکھنا... گھبرانا نہیں... راستے کی گرد اجالا بن جائے گی۔

ادیب دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ ادیب جن کو نقّاد ادیب مان لیتے ہیں اور ان کا ایک مخصوص حلقہ بن جاتا ہے اور ان کی کتابیں ادب کے ذخائر میں اضافے کرتی ہیں اور دوسرے وہ ادیب۔ جنھیں نقّاد ادیب ماننے پر تیار نہیں ہوتے۔ مگر عوام انہیں ادیب مان لیتے ہیں۔ وہ گھر گھر میں پڑھے جاتے ہیں۔ ان کی رسائی ہر دل تک ہوتی ہے۔ وہ گلی کوچوں میں اتر جاتے ہیں وہ جھونپڑیوں میں بھی دستک دیتے ہیں اور محلوں میں بھی، وہ ریلوے اسٹیشنوں پر اور ریل کے ڈبّوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان کی کتابیں ہر بک اسٹال پر نظر آ جاتی ہیں۔

ابنِ صفی دوسری قسم سے تعلّق رکھتے ہیں۔ ہاں آج اگر ادب کے نقّاد انہیں بڑا ادیب نہیں مانتے تو کوئی غم نہیں کل ان کو وہاں بھی اپنا مقام مل جائے گا۔

اصل میں ہر ادیب کا سرمایہ اس کے قاری ہوتے ہیں اس کے قارئین کی تعداد سے آپ اس کی ہر دلعزیزی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ادیب اور قاری کے درمیان ایک خوبصورت سا ناتا ہوتا ہے قلم کا ناتا یا اظہار کا ناتا۔

اظہار کے اس انداز میں جہاں قاری لفظ لفظ پر جھوم جھوم جاتا ہے۔ وہیں اس کے دل میں ادیب کا نقش گہرا ہوتا جاتا ہے پھر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے۔ جب ادیب کو قاری کے ساتھ اپنا یہ رشتہ اتنا پیارا لگتا ہے کہ وہ اس رشتے کو برقرار رکھنے کے لیے لکھے چلا جاتا ہے کہ اسے ہزاروں منتظر دلوں اور لاکھوں مضطرب آنکھوں کا ہر دم خیال رہتا ہے۔

قارئین اتنی بڑی طاقت ہیں کہ خود ہی فیصلہ کر دیتے ہیں کہ ادب کے میدان کا شہسوار کون ہے؟

ابنِ صفی کے حق میں قارئین یہ فیصلہ برسوں پہلے کر چکے ہیں پھر اس بات پر تعجب نہیں کرنا چاہیے کہ ابنِ صفی گوشہ نشین مطمئن اور بے نیاز قسم کے ادیب تھے۔ انہیں برسوں پہلے اپنی حیثیت کا علم ہو چکا تھا وہ دیانت داری کی بھک تھے زندگی بھر انہوں نے اپنے فیصلے اور اپنے قلم کا ساتھ دیا تھا۔ وہ اپنی تحریروں اور اپنے مشن سے انصاف کرتے رہے پھر وہ کیوں خلق کی طرف رجوع کرتے خلق کی طرف تو وہ رجوع کرتا ہے۔ جس کو نام و نمود کی خواہش ہو۔ جو ابھی تشنہ کام ہو۔ اللہ کے متوکل بندے۔ ایک گوشہ عافیت ڈھونڈھ لیتے ہیں اور وہاں آگہی کا چراغ جلا کر اپنی گدڑی بچھا لیتے ہیں۔ پھر وہ لگن سے اپنا کام کیے جاتے ہیں۔ خواہ کوئی انہیں کچھ کہے۔ جس مقام پر ابنِ صفی تھے اس مقام پر پہنچ کر ادیب ہم عصروں کے اینٹ پتھر سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

★★

میں نے انہیں صرف ایک بار ٹی۔ وی پر ضیا محی الدین شو میں دیکھا تھا۔ جب ان کے نام کا اعلان ہوا۔ تو سب لوگوں کے دلوں کی دھڑکنیں رک سی گئیں۔ اس ابنِ صفی کو لاکھوں لوگ دیکھنا چاہتے تھے۔ جس نے فریدی، عمران، جوزف، ظفر الملک، جیمسن اور جولیانا جیسے علامتی کرداروں کو جنم دیا تھا جو وحشت کے پس پردہ انسانیت کا درس دے رہا تھا اور ہم سب کا خیال تھا۔ کوئی بہت ہی جنگجو، گوریلا صفت سپر مین جیسا مردِ خدا ہوگا۔

مگر وہ تو اتنے دھیمے، منکسر، معصوم اور خاموش نظر آئے کہ ہم سب حیرت زدہ رہ گئے نہ ان میں خود پسندی اور خود نمائی تھی نہ اپنے BEST SELLER ہونے کا احساس ہم

انتظار میں ہی رہے کہ وہ ابھی کہیں گے۔

"میں ہی وہ پہلا آدمی ہوں جس نے..."

"میں ہی وہ پہلا شخص ہوں..."

"میں ہی وہ..."

"میں ہی... میں... میں..."

میں کی گردان میں وہ گردن گردن ڈوب جائیں گے مگر انکسار سے نرم نرم باتیں کر کے وہ ہمیں ورطۂ حیرت میں ڈال گئے، سچ ہے۔ "وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ"

اللہ تعالیٰ ہر اچھے اور ہر سچے کام کا صلہ دیتا ہے اور صلہ پانے والے سر جھکا کر چلتے ہیں۔ وہی ابنِ صفی آج بھی میرے تصور میں ہیں...

میرا رونے کو جی نہیں چاہ رہا... کہ رونے سے درد ضائع ہو جاتے ہیں... مگر میرا جی چاہ رہا ہے، کہ میں آنسوؤں کی بوند بوند سے ایک عبارت لکھوں۔ جس کے بول کچھ اس قسم کے ہوں۔

"لوگو... لوگو! اپنے اندر کسی کی بڑائی اور اس کا مقام تسلیم کرنے کی صلاحیت پیدا کرو!"

"لوگو! اپنی مسند پر کوئی قیامت تک نہیں بیٹھا رہتا، اس کے جیتے جی، اسے تنقید کے پتھروں سے سنگسار نہ کیا کرو۔"

"اچھے لوگو! تم نے کیا رسم بنالی ہے کہ گلے میں پھول ڈالنے کے لیے ان کے جانے کا رستہ دیکھتے ہو۔ ان کی زندگی میں انہیں پھول پیش کیا کرو کہ جاتے ہوئے اپنے ہم عصروں کی سنگدلی اور بے حسی کا بوجھ ان کے سینوں پر نہ ہو۔"

٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭